حق جہاد

محمد صغیر حسن معصومی

اللہ تعالی کا فرمان ہے: (الحج ۲۸ : ۷۸) و جاھدوا فی اللہ حق جہادہ ط "اور خدا کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے"۔ عام طور پر لوگ جہاد سے مذہبی لڑائی سمجھتے ہیں، حالانکہ جہاد کوشش کو کہتے ہیں جس کی انتہائی صورت لڑائی ہے۔ قرآن پاک نے جابجا جان و مال سے کوشش کرنے کی تلقین کی ہے، (التوبہ ۹ : ۸۸) لکن الرسول و الذین آمنوا معہ جاھدوا باموالھم و انفسھم ط و اولئک لھم الخیرات و اولئک ھم المفلحون، "لیکن پیغمبر اورجو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے سب اپنے مال اورجان سے کوشش کرتے رہے، انہی لوگوں کے لئے بھلائیاں ہیں اور یہی مراد پانے والے ہیں"۔ سورۂ فرقان (۲۸ : ۵۲) میں جہاد کا لفظ کبیر کی صفت کے ساتھ استعمال ہوا ہے: فلا تطع الکفرین و جاھدھم بہ جھادا کبیرا "تو تم کافروں کا کہا نہ مانو اور ان سے قرآن کے حکم کے مطابق بڑے شدومد سے جہاد کرو"۔ نفس اور مال کے ساتھ جہاد کرنے کے ذکر کے علاوہ جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر بھی جابجا آیا ہے، البقرۃ (۲۱۸) : إن الذین آمنوا و الذین ھاجروا و جاھدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمت اللہ ط و اللہ غفور رحیم، "جو لوگ ایمان لائے اور خدا کے لئے وطن چھوڑ گئے، اور اللہ کی راہ میں کوشش کرتے رہے، وہی خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور خدا بخشنے والا اور مہربان ہے"۔ اس جہاد و کوشش کی وضاحت دوسرے الفاظ میں قرآن پاک نے اس طرح کی ہے: (البقرۃ : ۲۵۱) ... و لولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض و لکن اللہ ذوفضل علی العلمین۔

”اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو زمین فساد سے بھر جاتی، لیکن خدا اہل عالم پر اپنا فضل سایہ کئے ہے“۔

اسلام امن و سلامتی اور حجت و برہان کا دین ہے، اپنے پیروکاروں سے توقع رکھتا ہے کہ وہ صبر و تحمل کے ساتھ باہمی تعاون و اخوت سے کام لیں، تعمیری فرائض انجام دیں، اور اپنے مقاصد کے حصول میں کسی طرح حق و انصاف سے تجاوز نہ کریں، اور نہ عدل و مساوات کا رشتہ ہاتھ سے جانے دیں۔ احیاناً اگر کوئی گروہ عقل و فہم سے عاری ہو جائے، اور لوگوں پر دست درازی کرے، کمزوروں کا مذاق اڑائے اور زیر دستوں کی حیات کی پاسبانی نہ کرے بلکہ ان کا خون بہانے لگے تو اسلام کے فرزندوں کا یہ فریضہ ہے کہ انسانیت کی حفاظت کریں، اور ایسے ظالم و سفاک گروہ کا قلع قمع کریں، اور ان سے صفحۂ ہستی کو پاک کر کے ہر طرف امن و سلامتی قائم کریں۔ النساء : ۸۴ ”فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف إلا نفسك و حرض المؤمنین ج عسی اللہ ان یکف باس الذین کفروا ط واللہ اشد باساً و اشد تنکیلا “ تو اے محمد صلی اللہ علیہ و سلم خدا کی راہ میں لڑو، تم اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں ہو، اور مؤمنین کو بھی ترغیب دو، قریب ہے کہ خدا کافروں کی لڑائی کو بند کر دے، اور خدا لڑائی کے اعتبار سے بہت سخت ہے اور سزا کے لحاظ سے بہت سخت ہے“۔ النساء : ۹۱ ”فان لم یعتزلوکم و یلقوا الیکم السلم و یکفوا ایدیھم فخذوھم و اقتلوھم حیث ثقفتموھم ط و اولیکم جعلنا لکم علیھم سلطناً مبیناً۔“ تو ایسے لوگ اگر تم سے (لڑنے سے) کنارہ کشی نہ کریں اور نہ تمہاری طرف (پیغام) صلح بھیجیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو ان کو پکڑ لو اور جہاں پاؤ قتل کر دو۔ ان لوگوں کے مقابلے میں ہم نے تمہارے لئے سند صریح مقرر کر دی ہے“۔

جو لوگ صلح و آشتی سے رہنا چاہتے ہیں اور دوسروں کی عزت و ناموس

پر حملہ آور نہیں ہوتے ، ان کے ساتھ امن و امان کے ساتھ رہنا قرآنی حکم ہے،
جو اس بات کی وضاحت کر دیتا ہے کہ ایسے لوگوں سے تعرض کرنا بالکل
ناحق ہوگا اور ان کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کا کوئی جواز نہیں :
النسآء : ۹۰ '' فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم و القوا الیکم السلم فما جعل اللہ
لکم علیھم سبیلا اور اگر وہ تم سے (جنگ کرنے سے) کنارہ کشی کریں اور
لڑیں نہیں اور تمہاری طرف صلح (کا پیغام) بھیجیں تو خدا نے تمہارے لئے ان
پر (زبردستی کر نیکی) کوئی سبیل مقرر نہیں کی '' ۔

غرض جہاد کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں شر و فساد کے اسباب کو دور کر دیا جائے ، اور کسی کو ظلم و طغیان کی اجازت نہ دی جائے ، تاکہ لوگ امن و امان کے ساتھ روئے زمین پر زندگی گذار سکیں، کسی کو کسی سے خوف و ہراس نہ ہو، اور کسی کو اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کے غیر محفوظ ہونے کا خدشہ نہ ہو۔ تہذیب و تمدن اور علم و ثقافت کی برکات کا خلاصہ یہی ہے کہ لوگ شاداں و فرحاں رہیں اور دوسروں کو بھی خوش و خرم رہنے دیں ، سماوی ادیان کی غرض و غایت یہی رہی ہے، اور فطری طور پر بلا امتیاز ملک و ملت انسانی اصول اور انسانیت کا تقاضا یہی رہا ہے۔ تقریباً چودہ صدیوں سے اسلام کا دعوی یہی ہے کہ لوگوں میں اتحاد ، احترام حقوق ، اخوت و مساوات کے ساتھ باھمی ہمدردی کا جذبہ ہو ، اور کسی کو کسی سے کوئی شکایت و پر خاش نہ ہو۔ چنانچہ اپنے سنہرے عہد میں فرزندان اسلام جب توحید کا پرچم لئے صحرائے عرب سے نکلے اور دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ متمدن اقوام رومیوں اور ایرانیوں کو اپنے فطری اصولوں کی دعوت دی تو انہوں نے اپنی قلمرو میں ، تاریخ گواہ ہے، سب کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا ۔ عیسائی یہودی اور صابی ان کی قلمرو میں اسی طرح امن و چین کی زندگی بسر کرتے تھے جس طرح فرزندان اسلام رہتے تھے ، ذمیوں کے شہری حقوق کی اسی طرح نگہداشت کی جاتی تھی جس طرح مسلمانوں کے حقوق محفوظ تھے ، ان کی

مذھبی آزادی اپنے گھروں اور اپنے احاطوں میں برقرار تھی۔ البتہ ان کو اپنے دین کی تبلیغ کی اجازت بر سر عام صرف اس لئے نہ تھی کہ شر و فساد رو نما ہونے کا خدشہ تھا، کیونکہ دو طریقہٗ فکر کی آزادی مخاصمت و مخالفت سے آزاد نہیں رہ سکتی، اور یہ بات مسلم تھی کہ عیسائیوں کو یہود اور اسی طرح اہل کتاب اور ایرانی ایک دوسرے کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، یہ لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے بر سر پیکار رہے، اور کمزوروں پر ہر طرح کے مظالم ڈھاتے رہے، عورتیں بچے بوڑھے سبھی فاتح اقوام کے ظلم و ستم کا نشانہ تھے، کھیتیاں برباد کر دی جاتیں، آباد شہر ویران کر دئے جاتے تھے۔ اسلام نے تاریخ انسانی میں اولین بار یہ نظیر پیش کی کہ پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ و سلم اپنے آبائی وطن مکہ میں جہاں سے وہ نکالے گئے تھے فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو سب کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں اور خانہ کعبہ کے کلید بردار کو بلا کر کعبہ کی کنجی اپنے ہاتھوں سے پھر اسی کے حوالے کرتے ہیں۔

خلفاء کے عہد میں اسلامی افواج شام، مصر اور ایران کی سر زمین میں یلغار کرتی ہوئی داخل ہوئیں تو کبھی انہوں نے عورتوں بچوں بوڑھوں اور نہتوں پر ھتھیار نہیں اٹھایا، نہ کھیتیاں برباد کیں۔ اعلاء کلمۃ الحق کے لئے انہوں نے تلوار اٹھائی کہ سر کشوں کی سرکوبی کی جائے تاکہ انسانی حقوق کا احترام قایم رہے، اور امن و امان کی زندگی لوگ بسر کر سکیں۔

اسلام کا چھٹا رکن جہاد ہے جس کا غلط مفہوم مذھبی جنگ لوگوں میں مشہور ہے۔ اسلام کی تبلیغ سے پہلے مذھب کے لئے عیسائیوں، یہودیوں اور ایرانیوں نیز دوسری اقوام مثلاً ھندو برھمن، بودھ و غیرہ کے پیروؤں میں لڑائیاں برابر لڑی گئیں، اور اسلام کے بعد بھی لڑی جاتی رہیں، لیکن ان کی نوعیت مسلمانوں کی جنگوں سے مختلف رہی۔ غیر مسلموں نے مفتوح قوم کو کسی طرح کی آزادی نہیں دی، اور نہ آج ان کو فکری آزادی کی اجازت دیتے ہیں،

مگر مسلمانوں نے مفتوح قوم سے ہمیشہ برابری کا سلوک کیا، اور سیاسی برتری کے سوا ہر طرح کی آزادی انہیں بخشی، نہ ان کے دین و مذہب میں مداخلت کی نہ ان کی روایات سے تعرض کیا۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ اقوام یورپ نے صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کے ساتھ خود اپنے لوگوں پر بھی ہاتھ صاف کیا۔ اندلس پر عیسائی قوموں کا غلبہ ہوا تو مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنایا، ہندوستان میں تقسیم کے بعد مسلمانوں کی تاریخ اور ثقافت کو مسخ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے، بہت سے کمزوروں کو ہندو بننے پر مجبور کیا گیا۔ آج بھارت میں فرقہ وارانہ فساد روز کا معمول بن چکا ہے۔

اسلام میں جہاد بمعنے جنگ کی اجازت صرف امن و امان قائم کرنے کے لئے ہے، جس کی تصریح آیات قرآنی سے کی جا چکی ہے۔ اپنے اعتقاد و نظریہ کے تحفظ کے لئے، نیز دوسروں کے ظلم و عدوان سے بچنے کے لئے جہاد کی تلقین لابدی ہے، فطری دین ہونے کا تقاضا تھا اور فطری قواعد کی مطابقت کے لئے ازبس ضروری تھا کہ جہاد فرض کیا جاتا۔ ورنہ اسلام کا نام و نشان تاریخ میں نہ ملتا، نہ اسلامی تعلیمات کی تبلیغ ممکن ہوتی۔

مغربی اقوام کی ثقافتی نیز سیاسی برتری کی وجہ سے مسلمان جہاں اسلامی احکام سے بیگانہ ہوگئے ہیں وہاں اسلامی تعلیمات سے بھی بڑی حد تک بے بہرہ ہوگئے ہیں۔ مغربی طرز زندگی کو اپنا کر، علوم جدیدہ سے آراستہ ہو کر اسلام کے فرزند یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی روایات ہمارے لئے مفید نہیں، دوسری اقوام عالم میں اپنا مقام پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسلامی حدود و تعزیرات سے چشم پوشی کی جائے، اسلامی تعلیم و تربیت سے بیگانہ نئی پود کے افراد یہ سمجھنے لگے ہیں، کہ ہماری ترقی کی راہ میں حائل اسلام اور اسلامی قوانین ہیں، اعداء اسلام کے ہاتھوں خدیوں کے

زوال پذیر، بڑی حد تک بے عمل، فرزندان اسلام تا بڑ توڑ شکست کھانے کے بعد یہ احساس کرنے لگے کہ ہماری شکست کا سبب ہمارا مذہب ہے، اور ترقی یافتہ اقوام سے مقابلہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ حلال و حرام کے امتیاز کو خیر باد کہہ دیں اور ان کے ظاہری طریق زندگی کو اپنا لیں۔ صدیوں کی شکست خوردہ ذہنیت کے مالک یہ بھول گئے کہ پہلے اپنے اخلاق کو درست کریں اور صحیح علم کو اپنا مقصد بنائیں تب کہیں یہ علوم جدیدہ ہمارے لئے مفید بن سکتے ہیں۔ انہوں نے اسوۂ رسول کو تج دیا، اور ہوا و ہوس میں ایسے غلطاں و پیچاں رہے کہ اسلامی تعلیمات کو بھی مغربی زبانوں کے ذریعہ حاصل کرنا اپنے لئے طرۂ امتیاز سمجھنے لگے، جن کو قرآنی زبان سے تعلق نہ ہو ان کی گمراہی کا کیا ٹھکانہ ہے۔

ارکان اسلام میں نماز و روزہ کو اس لئے اولیت حاصل ہے کہ فرزندان اسلام اپنے کو خدا کے حوالے کریں، اور اللہ کے آگے ہر وقت اور ہرآن سرنگوں رہیں، اور اپنی خواہشات اور نفسانیت سے بالکل پاک و مبرا ہوجائیں، آپس میں ایک دوسرے کے ہمدرد و معاون بن جائیں، زکات و حج ادا کر کے آپس میں بین الاقوامی رشتۂ اخوت قائم کریں، ایثار و رواداری کے خوگر ہو جائیں، پھر دشمنوں کے مقابل سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔ ان اخلاق فاضلہ کو اپنانے کے بعد توحید کے پروانے اس لائق ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالی ان کو حکم دیتا ہے:
واعدوا لهم ما استطعتم من قوة و من رباط الخيل، ترهبون به عدواللہ وعدوكم (الانفال: ۶۰) "اور ان کے لئے تیار کرو، جس قدر قوت ممکن ہو، جمع کرو سوار و پیدل فوجوں کو جس سے اللہ کے اور خود تمہارے دشمنوں پر خوف طاری ہو"۔ اس آیت پاک میں "قوت" نکرہ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ بحری، بری، فضائی اور ہر طرح کے آلات حرب مہیا کرنا ضروری ہے۔ 'رباط' کے لفظ سے اشارہ ہے کہ دفاعی قوت عام ازیں کہ ظاہری ہو یا خفیہ، اپنے

مورچوں کی مضبوطی ، جاسوسی اور جنگی ساز و سامان نیز فنون جنگ کی تنظیم و تربیت فرض ہے، تاکہ ان کے ذریعہ لوگوں کے حقوق کی نگہداشت ہوسکے اور امن و امان کا قیام ممکن ہو۔

اسلام اس قسم کی تیاری کا حکم دیتا ہے تاکہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی احکام کا نفاذ ہوسکے ، کیونکہ فرزندان اسلام میں جب اپنے دین و دینی احکام کا احترام اور دینی آداب کا لحاظ نہ ہوگا تو احساس کمتری میں مبتلا ہو جائیں گے، اور شعائر دین کا ان کے دلوں میں کوئی و قار باقی نہ رہے گا . یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نہایت واضح شخصی قوانین کی تعلیم دی ہے تاکہ اس کے فرزندوں میں نکاح و طلاق ، وراثت ، وصیت اور دوسرے شخصی معاملات میں خلفشار واقع نہ ہو، تجارتی و اقتصادی نیز سیاسی معاملات میں صرف کچھ حدود اور حلال و حرام کے عام احکام سکھا دئے کہ ان کے پیش نظر اپنے معاملات اور سیاسی تنظیمات کو اپنے جایز مفاد و مصالح کے لئے امانت و دیانت کے ساتھ قایم کریں ، اور ظلم و طغیان اور ہواؤ ہوس کے مرتکب نہ بنیں۔

افسوس یہ ہے کہ اس بیسویں صدی میں ہم ان شخصی اور قرآنی احکام پر پوری طرح عامل نہیں رہے، اور اب اس خلاف ورزی کے نتائج سے دو چار ہیں ، ایک نہایت معمولی سی مثال سے اس غفلت کے دور رس نتائج کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک نے اس میں شک نہیں کہ کتابیہ عورت سے شادی کرنے کی اجازت دی ہے، مگر ہم اس بات کو بھول گئے کہ یہ اجازت اسلامی حکومت کی حدود کے لئے ہے، جہاں مسلمانوں کی حکومت نہ ہو اور غیر مسلموں کی حکومت اور ان کا غلبہ ہو تو ایسے ممالک میں کتابیہ سے نکاح کا جواز ہر گز ثابت نہیں ہوتا ، اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں کتابیہ سے نکاح کو حرام قرار دیا ، وہ احساس کرنے لگے تھے کہ ذمیوں کی کثرت اور ان کے و قار کے آگے کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسی شادیوں سے

جو بچے پیدا ہوں ان پر ماؤں کا غلبہ ہو اور ان کے اثر سے بچے نصرانی یا یہودی نہ ہو جائیں۔

آج کل جبکہ ہم یورپ و امریکہ میں شب و روز غیر اسلامی ماحول میں رہتے ہیں، جہاں اسلام کے فرائض و واجبات کی ادائگی سے غافل ہو جاتے ہیں پھر کیونکر یہ امید کی جا سکتی ہے کہ ان ممالک میں کتابیہ سے شادی کریں اور اپنے بچوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق تعلیم و تربیت دیں ؟ - ان ممالک میں تو اچھے اچھے تعلیمیافتہ مسلمان خود شکوک و شبہات کے شکار ہو جاتے ہیں، اور قرآنی احکام کی دوراز کار من مانی تاویلات کے ادھیڑ بن میں لگ جاتے ہیں، وجہ ظاہر ہے کہ وہ غیر اسلامی ماحول میں رہتے ہیں، اور مستشرقین کی کتابوں سے اپنی دینی تعلیم کو مکمل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی تعلیمات، نیز عادات و اطوار پر اس طرح برائے نام علمی روشنی ڈالی گئی ہے کہ طرح طرح کے شکوک و شبہات شارع اسلام اور مسلمانوں کے کردار کے متعلق پیدا ہوتے ہیں۔ یہ کتابیں جو بدقسمتی سے انگریزوں کے عہد سے ہمارے ملک میں مستند تاریخی کتابیں سمجھی جاتی ہیں اور جو ہماری یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہیں درحقیقت ان لوگوں کے لئے لکھی گئی ہیں، جن کی مادری زبان انگریزی ہے اور جن کو اسلام سے دور رکھنا مقصود ہے، غرض یہ مشنری ضرورتوں کے ماتحت لکھی جاتی ہیں، مگر آج انگریزی زبان کے غلبہ اور مسلمانوں کی اندھا دھند تقلید کا نتیجہ ہے کہ سارے عالم کے مسلمان بھی ان ہی کتابوں کو سر پر رکھتے ہیں اور خود اپنے علمی سرمایہ سے بیگانہ ہی نہیں رہتے بلکہ اپنے آبا و اجداد اور مسلمانوں کی عربی اور اردو زبان کی کتابوں کو دقیانوسی، اور غیر علمی قرار دیتے ہیں، یا للعجب ! طرفہ تماشہ یہ ہے کہ مستشرقین اپنی کتابوں میں علمی صداقت کے لئے انہی پرانی عربی کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں، البتہ اکثر و بیشتر ان کے مطالب

اپنے مقاصد کے پیش نظر توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں، جن کی وضاحت خود ان ھی کی کتابوں سے ھو جاتی ہے۔

یہ امر واضح ہے کہ ھمیں ھر طرح حزم و احتیاط سے کام لیتے ھوئے علمی، ذھنی، ثقافتی، اندرونی، بیرونی ھر جانب سے مدافعت کا انتظام کرنا ضروری ہے، دشمنوں کے مقابلے میں معمولی سے معمولی کمزوری ھماری شکست کی موجب بن سکتی ہے، عقیدے کی کمزوری، اخلاقی کمزوری، عزم و استقلال کی قلت، دشمنوں کی کثرت سے مرعوب ھو جانا، دشمنوں کے حسین و جمیل ھتھکنڈوں، ادبی، ثقافتی اور جنسی ترغیبوں کے جال میں پھنسنا سب کچھ ھماری تباھی کو مؤثر بنا سکتے ھیں۔ اور ان سے ھم اپنی حفاظت کی تدبیروں میں تساھل کے مرتکب ھو سکتے ھیں۔

اللہ جلشا نہ نے علم میں زیادتی کی دعا جو سکھائی ہے (رب زدنی علما، اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ کر) وہ اسی لئے ہے کہ ھر طرح کے تجربی علوم میں ھم بھی کوئے سبقت لے جائیں، صرف نظری اور دینی علوم ھی سے چمٹے نہ رہ جائیں، اور یہ حقیقت ہے کہ ھر قسم کے علوم میں جس قدر مہارت انسان پیدا کرتا ہے اسی قدر اللہ رب العالمین کی قدرتوں اور الٰہی کا موں کی عظمت دلوں میں جا گزیں ھوتی ہے، اور انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (اللہ کے بندوں میں سے علم والے ھی اس سے ڈرتے ھیں) کی صداقت واضح ھو جاتی ہے۔

علم کا تقاضہ یہ ہے کہ دشمنوں کے حملہ سے پہلے ھی تیاری کر لینی چاھئے، اللہ پر توکل کرتے ھوئے اس کے حکم کے مطابق ظاھری ساز و سامان کی فراھمی ضروری ہے، قرآن پاک اسی لئے حکم دیتا ہے: (النساء: ۷۱)
یا ایھا الذین آمنوا خذوا حذرکم فانفروا ثبات او انفروا جمیعاء موسنو! جہاد کے

لئے ہتھیار لے لیا کرو پھر یا تو جماعت جماعت ہو کر نکلا کرو یا سب اکٹھے کوچ کیا کرو۔

غرض بری ، بحری ، جوہری اور فضائی آلات حرب کی فراہمی نیز عسکری تنظیم و تربیت کے بعد اللہ جلشانہ مسلمانوں کے متعلق یہ اعلان کرتا ہے: (النساء : ۷۶) الذین آمنوا یقاتلون فی سبیل اللہ . و الذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت ، فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیاۃ الدنیا بالآخرۃ ، و من یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل اویغلب ، فسوف نؤتیہ اجرا عظیما ، ”جو لوگ ایمان دار ہیں وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں ، اور جو لوگ کفر و نافرمانی کے مرتکب ہیں وہ طاغوت و شیطان کے راستے میں لڑتے ہیں ، تو چاہئے کہ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے قتال کرو جو آخرت کے بدلے دنیاوی حیات کو خریدتے ہیں ، اور جو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں ، اور وہ یا شہید ہوتے ہیں یا غالب آتے ہیں ، تو ان کو ہم جلد ہی اجر عظیم عطا کریں گے“۔

جنگی تیاریوں اور قتال کا حکم فرزندان اسلام کو اس لئے ملا ہے کہ حق کی نصرت کریں ، اور باطل کو ذلیل و خوار بنائیں ، بنی نوع انسان کو سعادت اخروی اور حیات ابدی سے مستفید ہونے کا موقعہ دیں ۔ حق و باطل کی تفریق اور دونوں میں امتیاز کرنا ، ساتھ ہی نیکی کی تائید اور بدی سے اجتناب کرنا ایسے فرائض ہیں جو اسلام سے قبل توریت و انجیل کی تعلیمات میں بھی داخل تھے ، اور عقل و خرد کی رو سے بھی خیر کی دعوت اور شر کی روک تھام انسانیت کے عین تقاضے ہیں ، بنابریں اللہ تعالی نے ایمان والوں سے یہ معاملہ کیا ہے کہ وہ اللہ کی خوشنودی و رضا کے لئے اپنی جانیں اور اپنی دولت قربان کر کے لوگوں کو حق کی طرف بلائیں اور انہیں باطل سے بچائیں ، اللہ تعالی نے ان قربانیوں کے بدلے اپنی مغفرت اور اپنے فضل سے جنت و انعامات کے عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے ، اور اس معاملے کو خرید و فروخت سے تعبیر کیا ہے ؛

(التوبہ : ۱۱۱) ، إن اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم و أموالھم بأن لھم الجنۃ ، یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون و یقتلون ، وعدا علیہ حقا فی التوراۃ و الانجیل و القرآن ، و من اوفی بعھدہ من اللہ ؟ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ ، و ذلک ھو الفوز العظیم ، " بے شک اللہ تعالی نے مومنوں سے ان کی جانوں اور ان کے اموال کو خرید لیا ہے کہ بدلے میں ان کو جنت ملے گی ، اور وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ھیں ، تو قتل کرتے اور قتل کئے جاتے ھیں ، اللہ تعالی کا یہ وعدہ حق ہے جس کا ذکر توریت ، انجیل اور قرآن میں ہے ، اور اللہ تعالی سے بڑھ کر کون اپنے وعدہ کو زیادہ پورا کرنے والا ہے؟ تو اپنی اس بیع پر جس کا معاملہ تم لوگوں نے اللہ کے ساتھ کیا ہے خوشخبری حاصل کرو ، کہ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

جیسا کہ اشارہ گزر چکا ہے مادی طاقت کے مظاھرہ اور عسکری تنظیم و تربیت کی ضرورت اس لئے ہے کہ حق کی نصرت کی جائے اور ناحق کا قلع قمع کیا جائے ، چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے: و یرید اللہ ان یحق الحق بکلماتہ و یقطع دابر الکافرین ، لیحق الحق و یبطل الباطل و لو کرہ لمجرمون ، " اللہ چاھتا ہے کہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت کرے اور کافروں کی قوت کو ختم کر دے ، تا کہ حق کو قائم کرے اور باطل کو نیست و نابود کر ڈالے ، اگرچہ دل کے باغی ، غلط کار اور جرم کرنے والے اس کو پسند نہیں کرتے "۔

اس جہاد کی انتہا اس وقت ھوگی جبکہ سارا فتنہ و فساد ختم ھو جائے اور اللہ جلشانہ کا دین ھر طرف قائم ھوجائے ، البقرۃ : ۱۹۳ - و قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین للہ ، فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظلمین " اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے ، اور دین اللہ کے لئے قائم ھو ، پس اگر وہ باز آگئے تو زیادتی نہیں ہے مگر ظالموں پر "۔

بنابریں ایسے حالات میں جب کہ مسلمانوں پر ظلم و جور کیا جائے ، ان کے مال و دولت اور عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کریں اور حملہ آوروں سے نبرد آزما ہو کر ان کے تکبر و غرور کو خاک میں ملا دیں ، لہذا ہمیشہ دشمنوں سے چوکنا رہیں ، اور علم و عمل ، جنگی تیاریوں اور معاصرانہ علوم و ترقیاتی امور سے غافل نہ رہیں ، جو لوگ ایسے نازک دور میں پیچھے رہ جاتے ہیں ، اور مسلمانوں کے دوش بدوش مقابلے میں شریک نہیں ہوتے ان سے دنیاوی قطع تعلق کرنا ضروری ہے ، اور ان سے بات چیت بند کر دینا اور ان کو الگ تھلگ کر دینا واجب ہے ، کیونکہ حضور پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیاتھا ، غزوہٴ تبوک کی تیاری میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو شریک ہونے کو کہا ، مگر منافقین کے ساتھ ساتھ تین صاحب اخلاص صحابیوں نے بھی تساھل سے کام لیا اور یہ شرکت کا ارادہ کرتے ہی رہے کہ لشکر اسلام مظفر و منصور واپس آ گیا ۔ منافقین جھوٹ موٹ اپنے اپنے بہانے اور عذر بیان کرتے رہے ، آپ ص نے ان سے کچھ تعرض نہ کیا ، البتہ تینوں مخلص صحابی ، کعب رض بن مالک ، ہلال رض بن امیہ اور مرارہ رض بن ربیعہ سے آپ ص نے ترک موالات کیا حتی کہ پچاسویں دن یہ آیت پاک ان کی شان میں نازل ہوئی ۔ التوبہ" رکوع ۱۴ ، و علی الثلثہ" الذین خلفوا ط حتی اذا ضاقت علیہم الارض بما رحبت و ضاقت علیہم انفسہم و ظنوا أن لاملجأ من اللہ الا الیہ ثم تاب علیہم لیتوبوا ط ان اللہ ھو التواب الرحیم ، " ان تینوں شخصوں پر اللہ نے توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا جب کہ اُن پر زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی تھی اور وہ خود بھی اپنی جان سے تنگ آ گئے تھے ، اور انہوں نے جان لیا تھا کہ سوائے اللہ کے اور کہیں پناہ نہیں مل سکتی ، اس وقت اللہ نے ان پر توجہ فرمائی تاکہ وہ رجوع کریں بےشک اللہ تعالی بہت توجہ فرمانے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے "۔

خود کعب رض بن مالک نے اپنی سرگزشت اس طرح بیان کی ہے : " تمام جنگوں میں ، میں نے رسول اللہ ص کے ساتھ شرکت کی اور اس موقعہ پر بھی نکلنے کا فیصلہ کر لیا تھا ، دن گذرتے گئے اور میں اس خیال میں رہا کہ اپنے معاملات نپٹالوں تو نکلوں ، اتنے میں خبر ملی کہ رسول اللہ ص واپس آرہے ہیں اس وقت میری آنکھیں کھلیں ، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا ، آپ ص حسب معمول مسجد میں تشریف لائے اور جو لوگ کوچ میں شریک نہیں تھے حاضر ہو ہو کر معذرتیں کرنے لگے ، یہ کچھ اوپر اسی (۸۰) آدمی تھے ، انہوں نے جو کچھ ظاہر کیا ، رسول اللہ ص نے قبول کر لیا ، اور ان کے دلوں کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا ، جب میری طرف آپ ص نے توجہ کی تو میں جھوٹی معذرت نہ کر سکا اور جو سچی بات تھی صاف صاف عرض کر دی . آپ ص نے فرمایا " اچھا جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالی فیصلہ کر دے " . بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ ایسا ہی حکم مرارہ رض بن ربیعہ اور ہلال بن امیہ کے حق میں بھی صادر ہوا ہے . آپ ص کے حکم سے سب نے ہم لوگوں سے منہ پھیر لیا . وہ دونوں شریک ابتلا گھر میں بیٹھ رہے . مگر میں سخت جان روز گھر سے نکلتا ،مسجد میں حاضری دیتا اور ایک گوشہ میں سب سے الگ جا بیٹھتا . نماز کے بعد سلام عرض کرتا تو آپ ص کا رخ پھر جاتا ، اپنے اعزہ و اقربا بھی غیر ہو گئے ، ایک دن شاہ غسان کا سفیر تلاش کرتا ہوا میرے پاس آیا اور بادشاہ کا خط میرے حوالہ کیا جس میں لکھا تھا ، ہمیں معلوم ہوا ہے تمہارے آقا نے تم پر سختی کی ہے ، تم ہمارے پاس چلے آؤ ، ہم تمہاری قدر و منزلت کریں گے . خط پڑھ کر میں نے کہا یہ ایک اور نئی مصیبت آئی ، گویا پچھلی بلائیں کافی نہ تھیں ؟ جب اس حالت پر چالیس راتیں گزر چکیں تو رسول اللہ ص کی جانب سے ایک آدمی آیا اور یہ حکم سنایا کہ اپنی بیوی سے الگ رہو ، طلاق نہ دو ، میں نے اپنی بیوی کو میکے بھیج دیا ،

خدا خدا کر کے پچاسویں صبح کو آیت پاک نازل ہونے کے بعد ، جب کہ میں اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ کر بیٹھا تھا ، اچانک کیا سنتا ہوں کہ

کوئی آدمی پکار رہا ہے: " کعب بن مالک بشارت ہو تمہاری توبہ قبول ہوگئی "، لوگ مبارک باد دینے آنے لگے، میں جب حضور ص کے پاس پہنچا، تو آپ ص کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا، فرمایا، کعب! تجھے آج اس دن کی بشارت دیتا ہوں جو تیری زندگی کا سب سے بہتر دن ہے "، اللہ اللہ! حضور ص کے اصحاب کا یہ درجہ تھا کہ ان سے کوئی غلطی سرزد ہوتی اور وہ خالص دل سے توبہ کرتے تو وحی آتی تھی، اور اللہ تعالی خود ان کی توبہ کی مقبولیت کا اعلان کرتا تھا، فاعتبروا یا اولی الابصار،

آج ہمارے لئے اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ ہم اللہ تعالی سے توفیق چاہیں کہ ہم اس کے احکام بجالانے اور حق جہاد ادا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی و غفلت کے شکار نہ بنیں ۔ و اللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین،